جب سے انسان نے اس سیارہ جسے زمین کہتے ہیں، پر قدم رکھا ہے' اس کے ذہن میں ہمیشہ ایسے سوالات جنم لیتے رہتے ہیں:۔

- میں کون ہوں؟
- میری ابتدا کیا ہے؟
- میری انتہا کیا ہے؟
- میری حقیقت کیا ہے؟
- میری پہچان کیا ہے؟
- اگر مجھے تخلیق کرنے والا خالق کوئی ہے تو وہ کون ہے؟ اس کی پہچان کیا ہے؟
- میرا مقصدِ حیات کیا ہے؟

ان جوابات کی تلاش کے لیے انسان نے جب بھی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہنمائی کے لیے ہر دور میں اوراس زمین کے ہر خطہ میں اپنے نبی اور رسول بھیجے۔ جو انسان کو ان سوالات کے جوابات سے مطلع فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ زمانہ آپہنچا جب روئے زمین کے انسان ایک دوسرے کے اتنے قریب آگئے کہ دنیا کے ایک سرے پر بیٹھا ہوا انسان دنیا کے دوسرے سرے پر بیٹھے ہوئے انسان سے باخبر رہنے لگا۔ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب، باعثِ تخلیقِ کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مبعوث فرما کر بنی نوع انسان پر

اپنی راہنمائی کی حُجت تمام کردی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پوری نسلِ انسانی کے لیے تا قیامِ قیامت ہادی ہیں۔انسانوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے قرآنِ مجید کی صورت میں مکمل ضابطۂ حیات عطا ہوا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ''آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے۔'' تو قرآنِ مجید کے ساتھ ساتھ احادیثِ قدسی اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صورت میں یہ ضابطۂ حیات قیامت تک کے لیے محفوظ کر لیا گیا۔جس خوش قسمت نے اس ضابطۂ حیات سے رجوع کیا اُسے راہنمائی ملی اور اس نے اپنا مقصدِ حیات حاصل کر لیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس حدیثِ قدسی میں انسان کی تخلیق کا مقصد بیان فرمایا ہے:

❁ كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ

ترجمہ: ''میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں اس لیے میں نے مخلوق کو پیدا کیا''

اس حدیثِ قدسی سے واضح ہو گیا کہ انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی پہچان اور معرفت ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی پہچان کیسے حاصل ہو گی۔تو اللہ کی پہچان کا طریقہ اس حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے:

❁ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

ترجمہ: ''جس نے اپنی ذات کو پہچانا اس نے یقیناً اپنے ربّ کو پہچانا۔''

اسکی شرح اس طرح سے ہے ''اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو عالمِ لاھوت میں روحِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پیدا فرمایا اس مقام پر روح کو ''روحِ قدسی'' کا نام دیا جاتا ہے اور یہی روح کی وہ حالت ہے' جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔''انسان میرا راز ہے اور میں انسان کا راز ہوں۔'' اس مقام پر ارواح اللہ تعالیٰ کے دیدار میں محو ہیں۔اور اسی عالم میں انسانی ارواح سے ''وعدہ بلیٰ'' لیا گیا سورہ الاعراف میں ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط (کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں)

تمام ارواح نے جواب دیا:

قَالُوْا بَلٰى (ہاں تو ہی ہمارا ربّ ہے۔)

❁ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:۔

الست از خلوت نازے کہ برخاست | بلیٰ از پردۂ سازے کہ برخاست

ترجمہ: الست بربکم کی آواز کس کے ناز کی خلوت سے بلند ہوئی اور ''بلیٰ'' کا نغمہ کس کے ساز کے سُر سے بلند ہوا؟

عالمِ لاھوت وہ عالم ہے جہاں پر انسان (انسانی روح) کے سوا تمام مخلوق کا داخلہ ممنوع ہے۔ اسی عالم کی سرحد پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معراج کی رات فرمایا تھا کہ میں اگر اس مقام سے ذرا سا بھی آگے بڑھوں گا تو جل جاؤں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے روح کو عالمِ جبروت میں اتارا اور اسے جبروتی لباس پہنایا کیونکہ روح جس جہان میں بھیجی جائے گی اُسے اس جہان کے لباس کی ضرورت ہوگی یہاں پر روح کا نام ''روحِ سلطانی'' ہوا پھر اُسے عالمِ ملکوت میں اتارا گیا اور اُسے ملکوتی لباس پہنایا گیا۔ یہاں پر روح کا نام ''روح نورانی'' ہوا اور پھر اسے بشری جسم میں داخل کیا گیا اور لباسِ بشر پہنایا گیا' جہاں پر روح کا نام ''روح جسمانی یا حیوانی'' ہوا۔ اس لیے فرمایا ''روح امرِ ربی ہے'' اور اس لیے کہا گیا ہے کہ ''ہر بچہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے۔'' یعنی اس کی روح پاکیزہ اور نور سے منور ہوتی ہے اور لذّتِ دنیا اور آلائشات دنیا کی طرف متوجہ نہیں ہوئی ہوتی۔ اب انسانی عروج یہ ہے کہ جب وہ روحانی طور پر ترقی کرتا ہوا عالمِ لاھوت میں قدسی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو انسان کو عرفانِ نفس حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہی عروج انسان کا مقصدِ حیات ہے۔ روحِ قدسی کو مختلف ناموں سے موسوم کیا گیا ہے:

❁ بعض صوفیاء کرام نے انسان کے اس روحانی وجود کو ''باطن''، ''اندر کا انسان''، روحانی انسان یا ''انسان کا باطنی وجود'' کا نام دیا ہے۔

❁ بعض احادیث میں اور صوفیاء کرام نے روح کو قلب' دل یا من کا نام دیا ہے۔ دل' قلب یا من گوشت کا وہ لوتھڑا نہیں ہے' جو سینے کے اندر بائیں جانب رکھا ہوا ہے۔ گوشت کا یہ لوتھڑا تو جانوروں اور مُردوں کے سینے میں بھی موجود ہوتا ہے اور ظاہری آنکھ سے اسے دیکھا بھی جا سکتا ہے اور جس چیز کو ظاہری آنکھ دیکھ سکے اور اس کا تعلق ظاہری دنیا سے ہو اور جسے فنا بھی ہونا ہو اُسے عالمِ باطن کی کیا خبر ہو سکتی ہے؟ روح کو یہ نام اصطلاحی طور پر دیا گیا ہے۔

❁ اقبالؒ نے اسے ''خودی'' کا نام دیا ہے اور ''عرفانِ نفس'' کو آپؒ ''خودی کی پہچان'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اقبالؒ کے زیادہ تر مفسروں نے ''خودی'' کو ''روح'' سمجھنے کی بجائے ''انا'' سمجھ کر بہت بڑی زیادتی اور غلطی کی ہے۔ انہیں شاید یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ ''انا'' (تکبر، عُجب) سے انسان خدا تعالیٰ سے دور ہوتا ہے اور ''رُوح'' سے اللہ کے قریب ہوتا ہے۔ ویسے علامہ اقبالؒ نے من، دِل اور رُوح کی اصطلاحیں بھی استعمال کی ہیں۔

❁ عام انسان اسے ضمیر کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ جب انسان کوئی گناہ یا غلط کام کرتا ہے' تو روح ہی اسے ملامت کرتی ہے' کیونکہ گناہ اس کی فطرت میں نہیں۔ انسان یہ کہتا ہے کہ میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا

ہے۔روح کی پہچان کو ہی اصل میں عرفانِ نفس کہا جاتا ہے اور یہی دین ہے۔

یعنی دین کے معنی ہیں ''جوہرِ انسان (روح) کی شناخت اور اس کی تکمیل''یعنی مرتبہ انسان کی پہچان اور اس کے حصول کا نام دین ہے۔دوسرے الفاظ میں خودشناسی وخودبینی وخودبانی کا نام دین ہے اور خودشناسی یہ ہے کہ انسان کی تخلیق دو چیزوں سے عمل میں لائی گئی ہے ایک چیز تو ظاہری وجود ہے جسے جسم یا تن بھی کہتے ہیں اور جسے آنکھ سے دیکھا اور ہاتھوں سے چھوا جاسکتا ہے۔اور دوسری چیز باطن ہے جسے روح' باطن یا دل کہتے ہیں۔جس کا ذکر اوپر ہوا ہے' اسے نہ تو ظاہری آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے اور نہ ہی ظاہری ہاتھوں سے چھوا جاسکتا ہے۔اسے صرف باطن ہی کی آنکھ سے دیکھا بھالا جاسکتا ہے۔عارفوں کی اصطلاح میں انسان کے اس باطنی اور اصلی وجود کو دل،قلب،من یا روح کہتے ہیں۔اور اس کا تعلق اس ظاہری جہان سے ہرگز نہیں بلکہ اس کا تعلق عالمِ غیب سے ہے۔اس سے ظاہری جسم چھن بھی جائے تو اس کو قائم رہنا ہے کہ اسے فنا نہیں ہے۔معرفتِ الٰہی اور جمالِ خداوندی کا مشاہدہ اس کی خاص صفت ہے۔عبادت کا حکم اسی کو ہے' ثواب وعذاب اسی کے لئے ہے' سعادت وشقاوت اسی کا مقدر ہے اور اس کی حقیقت سے آگاہ ہونا ہی معرفتِ الٰہی کی چابی ہے اور یہی دین کی حقیقت ہے۔

موجودہ دور میں مشکل یہ آن پڑی ہے کہ جب علمِ باطن کا کوئی مسئلہ سامنے آتا ہے تو ان قرآنی آیات کو جن میں علمِ باطن کے متعلق واضح اور روشن ہدایات موجود ہیں کچھ لوگ متشابہات کہہ کر آگے گزر جاتے ہیں۔ آج کل کے دور میں یہی ہماری گمراہی کی بڑی وجہ ہے کہ ہم نے اپنے ''باطن'' کو فراموش کر دیا ہے اور صرف ظاہر کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔اور یہی ہماری گمراہی کا سبب ہے کہ آج کا انسان آفاق میں گم ہے اور اگر وہ اپنی ہستی کو پہچان لے تو ''آفاق'' اس کو اپنے اندر دکھائی دے گا۔

قرآنِ مجید میں بھی بار بار انسان کے باطن کی طرف توجہ دلائی گئی ہے:

- وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ O (الذّٰریت-21)

ترجمہ:اور میں تمہارے اندر ہوں کیا تم غور سے نہیں دیکھتے۔

- وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (سورۃ ق-16) ترجمہ:اور ہم تو شہ رگ سے بھی نزدیک ہیں۔
- كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ. (سورۃ المجادلۃ-22) ترجمہ: ان کے دلوں پر ایمان لکھا ہے۔
- اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۔(الجاثیہ-23)

ترجمہ۔(اے محبوب ﷺ) آپ نے ایسے شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہشات کو الٰہ (معبود) بنا لیا ہے۔

❁ اَوَلَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ ۔ (سورہ الروم 8) ترجمہ: کیا وہ اپنے اندر فکر نہیں کرتے۔

حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ نے باطن کی طرف متوجہ کیا ہے:

❁ لَا یَسْعُنِیْ اَرْضِیْ وَ لَا سَمَآئِیْ وَلٰکِنْ یَسْعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِن ۔

ترجمہ: نہ میں زمین میں سماتا ہوں اور نہ آسمانوں میں لیکن بندہ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں۔

احادیثِ نبوی میں بھی باطن کی طرف اشارہ موجود ہے:

❁ بے شک اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے اور نہ تمہارے اعمال کو بلکہ وہ تمہاری نیتوں اور دلوں کو دیکھتا ہے۔

❁ اِنَّمَا الْعَمَالُ بِالنِّیَّاتِ ۔ ترجمہ: عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

❁ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰہِ تَعَالٰی ۔ ترجمہ: مومن کا دل اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔

ایسی بے شمار آیات واحادیث موجود ہیں جن میں قلب و باطن کی طرف بندہ کی توجہ دلائی گئی ہے جو تخیل و تصور کا مرکز ہے اور اسی قلب و باطن میں ایمان ٹھہرایا گیا ہے اور شیطان لعین بھی اسی باطن میں وسوسے چھوڑتا ہے۔

❁ ترجمہ: وہ لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ (الناس-5)

دنیا میں جہاں کہیں بھی کوئی شناسائے حقیقت، رازِ پنہاں سے واقف ہستی یا کوئی مفکر پیدا ہوا ہے، اس نے اس حقیقت کا پردہ ضرور فاش کیا ہے کہ عرفانِ نفس سے ہی اصل آگہی حاصل ہوتی ہے۔ اور اس قرآنی حقیقت سے ضرور پردہ اٹھایا ہے کہ نہ صرف خدا اور اس کا تخلیق کردہ یہ عالم ہی بلکہ پوری کائنات (یعنی تمام عالمین) انسانی قلب میں لطیف صورت میں موجود ہے یہ کوئی محض فلسفیانہ اصول نہیں جو ذہنی لطف یا دماغی کسرت کی تشفی کے لیے گھڑا گیا ہو یہ زندگی کی وہ حقیقت ہے جو قرآن و حدیث انبیاء کرام اور فقرائے کاملین کی تعلیمات اور تجربے کی مضبوط بنیاد پر کھڑی ہے۔

❁ مولانا رومؒ اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے انسان سے فرماتے ہیں کہ شکل سے تو جہانِ صغیر ہے مگر حقیقت میں تو جہانِ کبیر ہے۔

بس بصورت عَالَمِ صُغریٰ توئی   پس بمعنی عَالَمِ کُبریٰ توئی

آپؒ مزید فرماتے ہیں:

آدمی راہست حِسِ تن سِقیم   لیک در بَاطن یکے خلق عظیم

انسان جسمانی حواس کے نظریہ سے حقیر و ہیچ ہے مگر باطن میں ''عالمِ عظیم'' ہے۔

❁ خواجہ حافظ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یار باماست روز و شب حافظ　　ہچوں جانے کہ ہست در رگ و پے

ترجمہ: اے حافظ! یار دن رات ہمارے ساتھ ہے جیسے زندگی ہماری رگ و پے میں ہے۔

❁ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یار در تو پس چرائی بے خبر

ترجمہ: یار تیرے اندر ہے تو کیوں بے خبر ہے۔

❁ حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ بھی جستجوئے باطنی کی اہمیت نمایاں کرتے ہوئے انسان کو مخاطب کرتے ہیں ''تیری ہستی کی تاریکی میں آبِ حیات موجود ہے تو مچھلی بن جا اور خود کو اس آبِ حیات میں ڈال دے۔

آبِ حیات است اندر ظلمت ہستی تو　　ماہی شؤ خویش رادر آبِ حیات فگن

ایک اور جگہ آپؒ نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں'' اس نے معین الدین سے کہا تو کب تک ہر طرف دوڑتا پھرے گا تجھے جو بھی چاہیے اسے اپنے میں تلاش کرتا کہ تجھے پتہ چلے کہ تو کون ہے''

بامعین گفت ہر سُو تابہ کے خواہی دَوِید　　ہم زَخود جو' ہر چہ خواہی تابدانی کیستی

❁ حضرت بلھے شاہؒ کے مطابق جس نے رازِ حق پایا ہے' راہِ باطن تلاش کر کے ہی پایا ہے اور جس نے یہ راز پالیا وہ آخر سکونِ حقیقی کا حقدار بن گیا اور خوشی و غم' گناہ و ثواب' حیات و موت اور ہر طرح کے امتیاز سے آزاد ہو گیا۔

جس پایا بھید قلندر دا　　راہ کھوجیا اپنے اندر دا
اوہ واسی ہے سکھ مندر دا　　جتھے چڑھدی اے نہ لہندی اے
ایہہ تلکن بازی ویہڑا اے　　تھم تھم کے ٹرو اندھیرا اے
وڑ اندر ویکھو کیہڑا اے　　کیوں خلقت باہر ڈھونڈیندی اے
منہ آئی بات نہ رہندی اے

❁ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

''اے انسان! تجھ سے قریب ترین اگر کوئی چیز ہے تو تیری اپنی ہی ذات ہے اس لیے اگر تو اپنے آپ کو نہیں پہچانتا تو کسی دوسرے کو کیوں کر پہچان سکے گا؟ فقط یہ جان لینا کہ'' یہ میرے ہاتھ ہیں یہ میرے پاؤں ہیں۔ یہ میری ہڈیاں ہیں اور یہ میرا جسم ہے'' اپنی ذات کی شناخت تو نہیں ہے' اتنی شناخت تو اپنے لیے دیگر جانور بھی رکھتے ہیں۔ یا فقط یہ جان لینا کہ بھوک لگے تو کچھ کھا لینا چاہیئے غصہ آجائے تو جھگڑا کر لینا چاہیئے۔ شہوت کا غلبہ ہو جائے تو جماع کر لینا چاہیئے یہ تمام باتیں تو جانوروں میں بھی تیرے برابر ہیں پھر تو ان سے اشرف و

افضل کیوں کر ہوا؟ تیری اپنی ذات کی معرفت و پہچان کا تقاضا یہ ہے کہ تو جانے کہ تو خود کیا ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جائے گا؟ اور جو تو آیا ہے تو کس کام کے لئے آیا ہے؟ تجھے پیدا کیا گیا ہے تو کس غرض کے لئے پیدا کیا گیا؟ تیری نیک بختی وسعادت کیا ہے؟ اور کس چیز میں ہے؟ تیری بدبختی وشقاوت کیا ہے اور کس چیز میں ہے؟ اور یہ صفات جو تیرے اندر جمع کردی گئی ہیں اور ان میں سے بعض صفات حیوانی ہیں' بعض وحشی درندوں کی۔ بعض شیطانی بعض جناتی اور بعض ملکوتی ہیں' تو ذرا غور تو کر کہ تو ان میں سے کون سی صفات کا حامل ہے؟ تو ان میں سے کون ہے؟ تیری حقیقت ان میں سے کس کے قریب تر ہے؟ اور وہ کون کون سی صفات ہیں جن کی حیثیت تیرے باطن میں غریب واجنبی اور عارضی ہے؟ جب تک تو ان حقائق کو نہیں پہچانے گا۔ اپنی ذات کی شناخت سے محروم رہے گا۔ اور اپنی نیک بختی وسعادت کا طلب گار نہیں بنے گا کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی غذا علیحدہ علیحدہ ہے اور سعادت بھی الگ الگ ہے۔ چوپایوں کی غذا اور سعادت یہ ہے کہ کھائیں' پئیں' سوئیں اور مجامعت میں مشغول رہیں۔ اگر تو بھی یہی کچھ ہے تو دن رات اسی کوشش میں لگا رہ کہ تیرا پیٹ بھرتا رہے اور تیری شہوت کی تسکین ہوتی رہے۔ درندوں کی غذا اور سعادت لڑنے بھڑنے مرنے مارنے اور غیظ وغضب میں ہے' شیطانوں کی غذا اور سعادت شرانگیزی اور مکروحیلہ سازی میں ہے اگر تو ان میں سے ہے تو ان ہی جیسے مشاغل اختیار کرلے تاکہ تو اپنی مطلوبہ راحت ونیک بختی حاصل کرلے۔ فرشتوں کی غذا اور سعادت ذکروتسبیح وطواف میں ہے جب کہ انسان کی غذا اور سعادت قربِ الٰہی میں اللہ تعالیٰ کے انوارِ جمال کا مشاہدہ ہے۔ اگر تو انسان ہے تو کوشش کر کہ تو ذاتِ باری تعالیٰ کو پہچان سکے اور اس کے انوار وجمال کا مشاہدہ کرسکے اور اپنے آپ کو غصہ اور شہوت کے ہاتھ سے رہائی دلا سکے اور تو طلب کرے تو اس ذاتِ یکتا کو کرے تاکہ تجھے معلوم ہوجائے کہ تیرے اندر ان حیوانی وبہیمی صفات کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ اور تجھ پر یہ حقیقت بھی منکشف ہوجائے کہ پیدا کرنے والے نے ان صفات کو تیرے اندر جو پیدا کیا ہے تو کیا اس لیے کہ وہ تجھے اپنا اسیر بنالیں اور تجھ پر غلبہ حاصل کرکے خود فاتح بن جائیں؟ یا اس لیے کہ تو ان کو اپنا اسیر ومسخر بنالے اور خود ان پر غالب آجائے اور اپنے ان اسیروں اور مفتوحین میں سے کسی کو اپنے سفر کا گھوڑا بنالے اور کسی کو اپنا اسلحہ بنالے تاکہ یہ چند دن جو تجھے اس منزل گاہ فانی میں گزارنا ہیں، ان میں اپنے ان غلاموں سے کام لے کر اپنی سعادت کا بیج حاصل کرسکے اور جب سعادت کا بیج تیرے ہاتھ آجائے تو تو ان کو اپنے پاؤں تلے روندتا ہوا اپنی اس قرارگاہ سعادت میں داخل ہوسکے جسے خواص کی زبان میں ''حضورِ حق'' کہا جاتا ہے۔ یہ تمام باتیں تیرے جاننے کی ہیں۔ جس نے ان کو نہ جانا وہ راہ دین سے دور رہا اور لامحالہ دین کی حقیقت سے حجاب میں

رہا‘‘۔(کیمیائے سعادت)

❁ شیخِ اکبر محی الدین ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’اے طالب تو پہچان اپنی ذات کو اور کون ہے تو اور کیا ہے حقیقت تیری اور کیا ہے تیری نسبت حق تعالیٰ کی طرف اور کس وجہ سے تو حق ہے اور کس وجہ سے تو عالم (جہان) ہے‘‘۔(شرح فصوص الحکم والایقان)

❁ واصف علی واصف فرماتے ہیں: ’’آپ کا اصل ساتھی اور آپ کا صحیح تشخص آپ کے اندر کا انسان ہے۔اسی نے عبادت کرنی ہے اور اسی نے بغاوت۔ وہی دنیا والا بنتا ہے اور وہی آخرت والا۔اسی اندر کے انسان نے آپ کو جزا اور سزا کا مستحق بنانا ہے۔فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے آپ کا باطن ہی آپ کا بہترین دوست ہے اور وہی بدترین دشمن، آپ خود ہی اپنے لیے دشواری سفر ہو اور خود ہی شادابی منزل، باطن محفوظ ہو گیا ظاہر بھی محفوظ ہو گیا‘‘

عرفانِ نفس کے بارے میں علامہ اقبالؒ کا نظریہ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ سے مماثلت رکھتا ہے آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں ’’روح‘‘ کو’’خودی‘‘ اور عرفانِ نفس کو’’خودی کی پہچان‘‘ کا نام دیا ہے لیکن آپؒ نے اپنے کلام میں کہیں موقع کے اعتبار سے روح، من اور دِل کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے۔

❁ حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل انسان روح ہی تھی، وہی مسجودِ ملائکہ بنی۔

سجدہ گاہِ کیست ایں از من مپرس   بے خبر! رودادِ جاں از تن مپرس

ترجمہ: یہ (روح) کس کی سجدہ گاہ ہے؟ یہ تو مجھ سے مت پوچھ۔اے بے خبر! روح کی کہانی جسم سے نہ پوچھ۔ انسانی روح کو فرشتوں نے سجدہ کیا تھا، یعنی انسانی بدن میں جو روح ہے، وہی مسجودِ ملائکہ بنی۔ (اور ابلیس اس انسانی وجود کو نہ پہچان سکا اس نے انسان کو مٹی گارے کا معمولی پُتلا سمجھا گمراہ ہو گیا اور مردود ٹھہرا اور جبرائیل علیہ السلام جس نے انسان کے اندر موجود حقیقت کو پہچان لیا اور سب سے پہلے سجدہ میں گر گیا سردارِ ملائکہ بنا)

اب رحمِ مادر میں جب بچے کی صورت اور جسم مکمل طور پر تیار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں روح کو داخل کرتا ہے تو جسم کا ہر عضو حرکت کرنے لگتا ہے اور اس وقت تک حرکت میں رہتا ہے، جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور موت کے وقت پھر روح کو جسم سے علیٰحدہ کر لیا جاتا ہے۔

1. بجاں پوشیدہ رمزِ کائنات است   بدن حالے ز احوال حیات است
2. عروسِ معنی از صورت حنابست   نمود خویش را پیرایہ ہابست

3. حقیقت روئے خود را پردہ باف است　　　　که او را لذتے در انکشاف است

ترجمہ: 1. کائنات یعنی اللہ تعالیٰ کا راز روح میں پوشیدہ ہے، جسم زندگی کے حالات میں سے ایک حال ہے۔

2. روح نے صورت (ظاہری جسم) کی مہندی لگائی اور اپنے اظہار کے لیے مختلف قسم کے لباس پہنے۔

3. حقیقت (اللہ تعالیٰ) اپنے چہرے کے لیے پردہ بُنتی ہے یا پردہ بُننے والی ہے، اس کے واسطے انکشاف میں لذت ہے، گویا روح جسم میں پوشیدہ رہ کر ہی اپنے اظہار کے ذریعے لذت حاصل کرتی ہے تاکہ اس کے راز کو تلاش کیا جا سکے۔

❁ سخن از بود نابودِ جہاں با من چہ می گوئی　　　　من ایں دانم کہ من ہستم ندانم ایں چہ نیرنگ است

ترجمہ: پہلے خود کو جاننا اور پہچاننا ضروری ہے۔ دنیا میں کیا ہو رہا ہے، اسے دیکھنا بعد کی بات ہے، یعنی پہلے اپنی خودی کو پہچان اور پھر دنیا کے لیے کام کر۔ تب تیرا کام اللہ کی رضا کے مطابق ہوگا۔

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ اپنے پورے کلام میں خودی کی حقیقت بیان کرتے اور خودی (من، دِل، روح) کی پہچان حاصل کرنے کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں، کیونکہ خودی کی پہچان (عرفانِ نفس) کے بغیر انسان کی مثال حیوان کی سی ہے۔

❁ دل بینا بھی کر خدا سے طلب　　　　آنکھ کا نور، دل کا نور نہیں

❁ اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی　　　　تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

❁ من کی دنیا؟ من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق　　　　تن کی دنیا؟ تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں　　　　تن کی دولت چھاؤں ہے، آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

❁ دل میں ہو سوزِ محبت کا وہ چھوٹا سا شرر　　　　نور سے جس کے ملے رازِ حقیقت کی خبر

❁ خودی کی شوخی و تندی میں کبر و ناز نہیں　　　　جو ناز ہو بھی تو بے لذتِ نیاز نہیں

❁ عرش کا ہے، کبھی کعبے کا ہے دھوکہ اس پر　　　　کس کی منزل ہے الٰہی! مرا کاشانۂ دل

❁ ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی　　　　ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

❁ خودی وہ بحر ہے، جس کا کوئی کنارہ نہیں　　　　تو آبجو اسے سمجھا اگر، تو چارہ نہیں

❁ یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی　　　　کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی

تری زندگی اسی سے، تری آبرو اسی سے　　　　جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو رو سیاہی

❁ خودی میں گم ہے خدائی، تلاش کر غافل　　　　یہی ہے تیرے لیے اب اصلاحِ کار کی راہ

❁ تو اے اسیرِ مکاں! لامکاں سے دور نہیں　　وہ جلوہ گاہ تیرے خاک داں سے دور نہیں

اے بشری جسم میں مقید انسان اللہ تعالیٰ کی ذات تجھ سے دور نہیں بلکہ اے خاکی انسان غور کر اللہ تعالیٰ کا جلوہ تجھ ہی میں ہے۔

❁ خودی کی جلوتوں میں مصطفائی　　خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش　　خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

❁ خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا　　مقامِ رنگ و بو کا راز پا جا

❁ حکیمی' نامسلمانی خودی کی　　کلیمی' رمزِ پنہانی خودی کی
تجھے گُر فقر و شاہی کا بتا دوں　　غریبی میں نگہبانی خودی کی

خودی کی پہچان سے محروم انسان کو اقبالؒ مردہ تصور کرتے ہیں۔

❁ ترا تن روح سے نا آشنا ہے　　عجب کیا آہ تیری نارسا ہے
تنِ بے روح سے بیزار ہے حق　　خدائے زندہ' زندوں کا خدا ہے

جب نوجوانوں کو خودی کی پہچان حاصل ہو جاتی ہے اور روح کو طاقتِ پرواز مل جاتی ہے تو اُن کو اپنی منزل (آسمانوں) عالمِ لاھوت میں ذاتِ حق کے دیدار کی صورت میں نظر آتی ہے۔

❁ عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں　　نظر آتی ہے اُن کو اپنی منزل آسمانوں میں

خودی کی پہچان (دیدارِ الٰہی) کی منزل تک بتدریج کسی مرشدِ کامل کی زیرِ نگرانی پہنچا جا سکتا ہے۔

❁ دل زندہ و بیدار اگر ہو تو بتدریج　　بندے کو عطا کرتے ہیں چشمِ نگراں اور
احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ　　ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور

❁ جرأت ہے تو افکار کی دنیا سے گزر جا　　ہیں بحرِ خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے
کھلتے نہیں اس قلزمِ خاموش کے اسرار　　جب تک تو اسے ضربِ کلیمیؑ سے نہ چیرے

❁ تری نجات غمِ مرگ سے نہیں ممکن　　کہ تو خودی کو سمجھتا ہے پیکرِ خاکی

اقبالؒ بشری اور روحانی جسم میں سے روحانی جسم کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کی زندگی کو ہی زندگی گردانتے ہیں۔

❁ دِل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامانِ موت　　فیصلہ ترا ترے ہاتھوں میں ہے، دِل یا شکم

❁ خودی کا سِرِّ نہاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ　　خودی ہے تیغِ فساں' لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

❁ روح اسلام کی ہے نورِ خودی' نارِ خودی　　زندگانی کے لیے نارِ خودی نور و حضور

انسانی وجود کے بارے میں فرماتے ہیں کہ انسانی وجود "خودی کی پہچان" کے بغیر بیکار ہے۔

❁ نہ ہے ستارے کی گردش نہ بازیِ افلاک　　　خودی کی موت ہے تیرا زوالِ نعمت و جاہ
وجود کیا ہے، فقط جوہرِ خودی کی نمود　　　کر اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا

اگر زبان نے ''لَا اِلٰہَ'' کہہ بھی دیا تو اُس سے کچھ فرق نہیں پڑتا اصل مرحلہ تو تصدیقِ قلب کی منزل تک پہنچنا ہے۔

❁ خرد نے کہہ بھی دیا لَا اِلٰہَ تو کیا حاصل　　　دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

❁ دلِ مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ　　　کہ یہی ہے اُمتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

دنیا کے مدرسوں، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے بارے میں آپؒ فرماتے ہیں:-

اقبالؒ یہاں نام نہ لے علمِ خودی کا　　　موزوں نہیں مکتب کے لیے ایسے مقالات
بہتر ہے بیچارے مموِلوں کی نظر سے　　　پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات

مسلمانوں میں خودی کی پہچان کا جذبہ نہ رہا اور صرف ظاہر اور بشری وجود ہی رہ گیا اور روح مردہ ہوگئی۔

❁ خودی کی موت سے مغرب کا اندرُوں بے نور　　　خودی کی موت سے مشرق ہے مبتلائے جذام
خودی کی موت سے روحِ عرب ہے بے تب و تاب　　　بدن عراق و عجم کا ہے بے عروق و عظام
خودی کی موت سے ہندی شکستہ بالوں پر　　　قفس ہوا ہے حلال اور آشیانہ حرام
خودی کی موت سے پیرِ حرم ہوا مجبور　　　کہ بیچ کھائے مسلمانوں کا جامۂ احرام

❁ اے ترا ہر لحظہ فکر آب و گِل　　　از حضورِ حق طلب یک زندہ دل

ترجمہ: تجھے ہر لحہ فکرِ معاش ہی رہتا ہے، اللہ تعالیٰ سے ایک زندہ دل طلب کر۔

روح باحق زندہ و پائندہ ایست　　　ورنہ ایں رامردہ آں را زندہ ایست

ترجمہ: حضورِ حق میں رہنے والی روح ہی زندہ ہے، ورنہ تو خدا کے نزدیک مردہ ہے۔

حضرت علامہ اقبالؒ انسان سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ اپنی خودی کو زندہ کر اور خودی ایک ایسا راز ہے جو کائنات کے ہر راز سے واقف ہے۔

تو شمشیری ز کامِ خود بروں آ　　　بروں آ از نیام خود بروں آ
نقاب از ممکناتِ خویش برگر　　　مہ و خورشید و انجم را بہ برگیر

ترجمہ: تیری خودی اگر ظاہر ہو جائے تو تلوار ہے، اپنی نیام سے باہر آ۔ یعنی بشری جسم کے جال سے نکل اور خودی کی پہچان اور اپنے ممکنات (بشری حجابات) سے نقاب ہٹا دے اور یوں چاند سورج اور ستاروں کو اپنے پہلو میں لے لے۔

خودی از کائنات رنگ و بو نیست حواسِ مامیانِ ماو اونیست
نگہ راہ در حریمش تیست راہے کنی خود را تماشا بے نگاہے

ترجمہ: خودی کا تعلق اس ظاہری اور مادی دنیا سے نہیں ہے۔ ہمارے حواس (حواسِ خمسہ) اس (اللہ تعالیٰ) کے اور ہمارے درمیان حائل ہیں۔ ہماری آنکھ خودی کے حجابات کو نہیں چیر سکتی۔ تو اپنی خودی کا تماشا ظاہری آنکھ کے بغیر کرتا ہے۔

اگر چشمے کشائی بر دلِ خویش درونِ سینہ بینی منزلِ خویش

ترجمہ: اگر تو اپنے دل پر نظر ڈالے تو سینے میں ہی اپنی منزل (اللہ تعالیٰ) کو پالے گا۔

1. خودی تا ممکناتشس وا نماید گرہ از اندرونِ خود کشاید
2. ازاں نورے کہ وابیند کشاید تو او را فانی شماری
3. ازاں مرگے کہ می آید چہ باک است خودی چوں پختہ شد از مرگ پاک است

ترجمہ: 1. خودی اپنے اظہار کے لیے اپنے اندر کی بندشوں کو توڑ ڈالتی ہے۔ 2. خودی وہ نور ہے، جس سے ہر چیز واضح نظر آتی ہے اور تو خودی کو فانی سمجھتا ہے، یعنی تجھے خودی کی حقیقت ہی معلوم نہیں ہے۔ 3. وہ موت جو اس بشری جسم کو آتی ہے، اس موت سے کیا ڈرنا۔ خودی کو اپنی پہچان جب حاصل ہو جاتی ہے تو وہ موت سے پاک ہو جاتی ہے یعنی وہ جاودانی ہو جاتی ہے (اگر یقین نہیں ہے تو فقراء کے مزاروں پر جلتے ہوئے چراغ دیکھ لے)

1. چوں از خود گردِ مجبوری فشاند جہانِ خویش را چوں ناقہ راند
2. نگردوں آسماں بے رخصت او نہ تابد اخترے بے شفقت او
3. قطارِ نوریاں در رہ گذار است پے دیدار او در انتظار است
4. شراب افرشتہ از تاکش بگیرد عیارِ خویش از خاکش بگیرد

ترجمہ: 1. جب خودی اپنی پہچان حاصل کر لیتی ہے، تو وہ بشری جسم کی طرح مجبور و بے بس نہیں رہتی پھر وہ دنیا کو اونٹنی کی طرح ہانکتی ہے۔ یعنی دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق چلاتی ہے۔ 2. آسمان بھی اس کی اجازت کے بغیر گردش نہیں کرتا اور کوئی ستارہ اس کی شفقت کے بغیر نہیں چمکتا یعنی تمام کائنات اس کے تابع فرمان ہو جاتی ہے۔ 3. فرشتے اس کی راہ میں قطار در قطار دیدار کے انتظار میں کھڑے رہتے ہیں۔ 4. فرشتہ اس کے تاک سے شراب حاصل کرتا ہے اور اپنی قدر و قیمت اس کی خاک (بشری وجود) سے حاصل کرتا ہے۔

اسی مقام کے بارے میں اقبالؒ نے فرمایا:

❁ خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

❁ خودی ز اندازہ ہائے مافزون است　　خودی زاں کل کہ تو بینی فزوں است

ترجمہ: خودی ہمارے اندازوں سے بڑھ کر ہے‘ خودی اس گُل (اللہ تعالیٰ) سے ہے جسے تو دیکھتا ہے۔

❁ تومی گوئی مرا از ''من'' خبر کن　　چہ معنی دارد اندر خود سفر کن

ترا گفتم کہ ربط جان و تن چیست　　سفر در خود کن و بنگر کہ ''من'' چیست

ترجمہ: تو یہ کہتا ہے کہ مجھے من کے بارے میں بتا۔ اپنے اندر سفر کرنے سے کیا مراد ہے میں نے تجھے بتایا تھا کہ روح وجسم کا باہمی ربط کیا ہے تو اپنے اندر سفر کر اور دیکھ لے کہ ''من'' کیا ہے۔

خودی تعویذِ حفظِ کائنات است　　نخستیں پر تو ذاتش حیات است

ترجمہ: خودی کائنات کے تحفظ کا تعویذ ہے اس (اللہ تعالیٰ) کی ذات کا پہلا اظہارِ حیات ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے جب اللہ تعالیٰ میں اظہار کا شوق پیدا ہوا تو سب سے پہلے نورِ مصطفیٰ ﷺ میں خود کو ظاہر کیا اور نورِ محمدی ﷺ سے مخلوق کو پیدا کیا۔

بنی جہاں را خود را نبینی　　تاچند ناداں غافل نشینی

ترجمہ: تو دنیا کو دیکھتا ہے‘ لیکن خود کو نہیں پہچانتا تو کب تک اپنی ہستی سے غافل رہے گا۔

بجانِ من کہ جاں نقش تن انگیخت　　ہوائے جلوہ ایں گل را دو رو کرد

ہزاراں شیوہ دارد جانِ بے تاب　　بدن گردوں چو بایک شیوہ خو کرد

ترجمہ: میری روح نے جب خود ہی جسم کا نقش ابھارا تو جلوہ (حق) ظاہر ہونے کی خواہش نے اس پھول (جسم اور روح) کو دو رُخ عطا کر دیئے یوں جسم اور روح دو الگ الگ وجود نظر آنے لگے جبکہ دونوں کی بنیاد ایک روح ہی ہے گویا بدن روح ہی کی بدلی ہوئی صورت ہے۔

در جہانِ دل ما دورِ قمر پیدا نیست　　انقلابیست و لے شام و سحر پیدا نیست

ترجمہ: ہمارے دل (باطن) کی دنیا زمان و مکاں (Time and Space) سے آزاد ہے۔ اس میں شام و سحر نہیں ہے۔ ہر لمحہ ایک انقلاب ہے۔

❁ سلطان الفقر (ششم) حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی رحمتہ اللہ علیہ عرفانِ نفس کے بارے میں فرماتے ہیں:

اے انسان! کیا تو نے اپنے اندر اس حقیقت کو تلاش کیا ہے کہ اصل میں تیری حقیقت کیا ہے تو کہاں سے آیا ہے؟ تیرا اس دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے؟ اور تو نے واپس لوٹ کر کہاں جانا ہے؟

- اپنے اندر اپنی حقیقت تلاش کر۔ تیری حقیقت تو وہ ذات ہے جو تیری شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ تیری اپنی ذات ہی کی تلاش میں تجھے وہ ذات مل جائے گی۔
- اپنی ذات کو پہچان لے جب تو اپنی ذات کو پہچان لے گا تو تجھے اللہ تعالیٰ کی پہچان بھی حاصل ہو جائے گی لیکن اس حقیقت تک پہنچنے کیلئے پہلے اپنے دل سے زنگ دور کر اور نفسانی حجابات سے چھٹکارہ حاصل کر اس کے بعد تیرا دل ایک ایسا آئینہ بن جائے گا جس میں وہ ذات بے حجاب نظر آئے گی۔
- انسان کا باطن ایک عظیم الشان نوری جوہر اور حق کا آئینہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نور سے منور ہوتا ہے اور اس کی وسعت اتنی زیادہ ہے کہ پوری کائنات اس میں رائی کے دانہ کے برابر نظر آتی ہے اور یہی وہ حقیقی انسان ہے جو اللہ کی طرف سے آتا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر چلا جاتا ہے۔ گوشت پوست کا یہ ظاہری جسم نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اور نہ ہی اس کی طرف لوٹ کر جاتا ہے یہ اسی دنیا میں پیدا ہوتا یہیں ختم ہوتا ہے یہیں دفن ہوتا اور یہیں فنا ہو جاتا ہے۔
- اپنے باطن کو بیدار کر کیونکہ وہی اصل انسان ہے اسی کا کام عبادت ہے کیونکہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے "حضورِ قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔" وہی جنت والا اور دوزخ والا ہے۔ جس کا باطن درست ہو گیا اس کا ظاہر بھی درست ہو گیا۔
- اگر تو باطن کا بند قفل کھولنا چاہتا ہے تو اس کی کلید کسی مرد کامل (مرشد کامل اکمل) سے حاصل کر۔ باطن کے قفل کو کھولنے والی چابی اسم اَللّٰہُ ذات ہے۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُوؒ

تمام عارفین اور فقراء کی طرح سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُوؒ بھی انسان کو اپنے من میں جھانکنے اور اپنی ذات پر غور کرنے کی تلقین کرتے ہیں آپؒ چونکہ صوفیاء کرام میں عظیم مرتبہ کے حامل اور سلطان الفقر کے مرتبہ پر فائز ہیں اس لئے آپؒ کا انداز بھی سب سے منفرد اور جداگانہ ہے۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کی تمام تر تعلیمات خواہ نثر کی شکل میں ہوں یا شاعری کی شکل میں قرآن وحدیث کی خوبصورت شرح ہیں۔ آپؒ قرآن پاک کی اس آیت کہ "اللہ شہ رگ سے نزدیک ہے" کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ اس ہستی کی تلاش کے لئے پہلے اپنے اندر رسائی ضروری ہے۔

اپنے باطن کے اندر اللہ پاک کی موجودگی پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کے لئے لفظ نزدیک کا استعمال بھی موزوں نہیں ہے کیونکہ یہ لفظ بھی علیحدگی اور دوئی کا مظہر ہے بلکہ وہ ہی تو ہماری ہستی ہماری حقیقت ہے۔

آپؒ فرماتے ہیں۔

قربِ حق نزدیک من حبل الورید　　　　تو جمالش رانہ بینی بے نظیر

ترجمہ: اللہ پاک کی ذات شہ رگ سے بھی قریب ہے مگر تو اندھا ہے اور لقائے خدا تیرا مقدر نہیں ہے۔ (دیوانِ باھُوؒ)

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کی شرح میں فرماتے ہیں: جان لے کہ نفسِ امارہ کی قوت و غذا گناہ و معصیت ہے بلکہ یوں کہیے کہ نفسِ امارہ کا تو پیشہ ہی گناہ و معصیت ہے۔ اگر آدمی رات دِن نماز و روزہ جیسی طاعت و بندگی میں مشغول رہے اور ہمیشہ قائم اللّیل و صائم الدہر رہے تو اِس کے باوجود بھی نفسِ امارہ گناہ سے باز نہیں آتا کہ اُس کی تو خصلت ہی گمراہی ہے۔ آدمی چاہے رات دِن مسائلِ فقہ کے مطالعہ میں مشغول رہے یا ریاضتِ تقویٰ و تلاوتِ قرآن اور نص و حدیث کے مطالعہ میں مصروف رہے، نفسِ امارہ گناہوں سے باز نہیں آتا کہ اُس کا یارانہ نفس و شیاطین سے ہے۔ آدمی چاہے خانہ کعبہ کا طواف و حج کرتا رہے یا میدانِ جنگ میں جہاد و قتال کرتا رہے یا ذکر فکر مراقبہ محاسبہ مکاشفہ کشف القلوب و کشف القبور کے مراتب حاصل کر کے غوث و قطب بن جائے نفسِ امارہ گناہوں سے باز نہیں آتا بلکہ ہر وقت گناہوں کی طرف مائل رہتا ہے کہ اُس کی نظر ہمیشہ مردارِ گناہ پر لگی رہتی ہے لیکن جب تصورِ اسمِ اَللّٰہُ ذات سے اُس کے دِل میں قرب و وصالِ الٰہی کی تجلّیات کا شعلہ بھڑکتا ہے تو وہ وحدانیتِ نُور حضور کے دریا میں غرق ہو کر عارف باللہ فنا فی اللہ کے انتہائی مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ اِس مقام پر نفسِ امارہ عاجز ہو کر گناہوں سے رک جاتا ہے اور اُسے قدرتِ الٰہی کی طرف سے بے کام و بے زبان الہامات کے ذریعے حکم ہوتا ہے کہ اے نفسِ امارہ! حیا کر اور باادب ہو جا۔ قدرتِ الٰہی کے اِن الہامات کو سن کر نفسِ امارہ تائب ہو جاتا ہے اور مسلمان ہو کر صحیح اقرار و قلبی تصدیق کے ساتھ کلمہ طیّب ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' پڑھ لیتا ہے اور گناہوں سے توبہ کر کے نفسِ مطمئنہ بن جاتا ہے۔ پھر وہ طلبِ راستی میں دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قبول کر کے منتہی ولی اللہ بن جاتا ہے۔ معرفتِ الٰہی کے اس انتہائی مقام پر جب وہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ کا مصداق بن کر اپنے نفس کو پہچان لیتا ہے تو اُسے اپنے ربّ کی پہچان اس علامت سے ہو جاتی ہے کہ اُس کے نفس پر الہاماتِ ربانی کا نزول شروع ہو جاتا ہے کیونکہ مقامِ معرفت پر پہنچ کر نفس میں کوئی نفسانی و شیطانی باقی نہیں رہتی۔ اس کے بعد اگر تمام حور و قصور نعمہائے بہشت و تمام زینتِ دنیا نفس کے گرد جمع ہو جائیں تو وہ اُسے اختیار

نہیں کرتا۔ (محک الفقر کلاں)

❁ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے: مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ (جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا بے شک اُس نے اپنے ربّ کو پہچان لیا) اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ خطاب اِس لیے کیا گیا ہے کہ اِس سے آدمی کے احوال اُس کے سامنے آجاتے ہیں پھر اُس کا نفس ہوا (نفسانی خواہشات) سے اور دِل گناہوں سے مطلق بیزار ہو جاتا ہے۔ بندے کو بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے، بندگی کے بغیر بندے کی ساری عمر محض شرمندگی ہے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام جب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو اپنے بیٹوں سے فرمایا:- ''مجھ سے پانچ سبق سیکھ لو تمہارے کام آئیں گے (۱) اللہ کے سوا کسی سے دِل نہ لگانا، مَیں نے بہشت سے دِل لگایا اور مجھے اُس سے جدا کر دیا گیا، (۲) عورتوں کے کہنے پر کوئی کام نہ کرنا کہ مَیں نے حوا کی رائے پر عمل کیا اور وہ مجھے راس نہ آیا، (۳) اگر تمہارا دِل کوئی چیز مانگے تو اُسے مت دو کہ میرے دِل نے درخت کا میوہ کھانا چاہا تو مَیں نے کھا لیا مگر وہ مجھے راس نہ آیا، (۴) کوئی کام کرتے وقت کسی سے مشورہ ضرور کر لینا، اگر مَیں فرشتوں سے مشورہ کر لیتا تو اِس حال کو نہ پہنچتا، (۵) اگر کوئی بلا وجہ قسم کھائے تو اُس پر اعتبار نہ کرنا کہ ابلیسِ لعین نے میرے سامنے قسم کھائی تو مَیں نے اُس پر اعتبار کر لیا، پھر جو نقصان مجھے پہنچنا تھا وہ پہنچ کے رہا'' مصنف کہتا ہے کہ فقیر کے لیے فقط طلبِ اللہ ہی کافی ہے اور باقی ہر طلب ہوس ہے۔ (محک الفقر کلاں)

دل انسانی جسم میں ایک وسیع اور عظیم الشان نوری جوہر اور آئینہ حق نما ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور سے منور ہوتا ہے اور تمام کائنات اس میں رائی کے دانے کے برابر نظر آتی ہے۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُوؒ کا نکتہ نظر یہ ہے کہ دل میں معرفتِ الٰہی سے ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس سے دونوں جہان کی کل کیفیات دل میں سما جاتی ہیں اور صاحبِ نظر دل کی آنکھوں سے اس کا صاف نظارہ کرتا ہے اور عاشقِ الٰہی تو ہمیشہ ہی اپنے دل کی جانب متوجہ رہتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:-

❁ قلب ایک نہایت وسیع ولایت اور ملکِ عظیم ہے دونوں جہاں اور ساتھ مخلوق اس میں سما سکتے ہیں لیکن قلب دونوں جہانوں میں نہیں سما سکتا۔ (فضل اللقاء)

❁ ہر کتابے نقطہ از دِل کتاب   دِل کتابے دفترِ حق بے حساب

ترجمہ: ہر کتاب کتابِ دِل کا ایک نقطہ ہے کہ کتابِ دِل نے بے شمار دفاترِ حق کا احاطہ کر رکھا ہے۔ (محک الفقر کلاں)

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ شرحِ دِل اور حقیقتِ دِل کے بارے میں فرماتے ہیں:

❁ دِل کسے کہتے ہیں اور قلب کسے سمجھا جاتا ہے؟ جان لے کہ زمین کی وسعت آسمان کی وسعت کے

مقابلے میں محض ایک قطرہ ہے، جملہ آسمان بلندی و فراخیٔ لوح کے مقابلے میں ایک قطرہ ہیں، لوح قلم کے مقابلے میں ایک قطرہ ہے، عرشِ اکبر کے بے شمار کنگرے ہیں، ہر کنگرے پر کلمہ طیّب ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' لکھا ہوا ہے، ہر کنگرے پر ایک قندیل لٹکی ہوئی ہے، ہر قندیل میں قدرتِ الٰہی سے زمین و آسمان کے چودہ طبق تہہ در تہہ رکھے ہوئے ہیں، ہر طبق میں اٹھارہ ہزار عالم کی مخلوق آباد ہے، ہر مخلوق اپنی اپنی زبان سے کلمہ طیّب ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' کا ذکر کر رہی ہے۔ عرشِ اکبر اور تمام قندیلیں دِل کے مقابلے میں اسپند کے دانے کے برابر ایک قطرہ ہیں۔ سن اے عزیز! ہوشمند! جب کوئی آدمی اہلِ اسلام عارف باللہ کے دِل کو ٹھیس پہنچاتا ہے تو اٹھارہ ہزار عالم کی جملہ مخلوق بلکہ عرش و کرسی کی تمام مخلوق میں تہلکہ مچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حاملانِ عرش و کرسی! تم اِس طرح جنبش میں کیوں ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ ایک مومن کا دِل کسی نے دکھایا ہے اور وہ جلالیت میں آ کر جنبش کر رہا ہے۔ اِس پر اللہ تعالیٰ کا قہر و غضب دکھ دینے والے پر نازل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ میں اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ (محک الفقر کلاں)

❁ جان لے کہ ذکر فکر، مراقبہ، محاسبہ، مکاشفہ اور خلوتِ حجرہ سے اکتساب کرنا خام و ناقص لوگوں کا مرتبہ ہے کہ حجرہ و خلوتِ دِل بہتر ہے حجرہ و خلوتِ خاک سے کہ حجرۂ خاک دِل کے حجرے سے کمتر ہے۔ جس نے بھی رازِ حق کو پایا دِل ہی سے پایا اور جس نے دِل سے رازِ حق کو پا لیا اُس نے خود کو حجرہ و خلوتِ خاک سے آزاد کرا لیا۔ یوں جانیے کہ حجرۂ خاک میں خلوت نشین ہو کر چالیس روز کا چلہ کاٹنا مطلق جہالت بلکہ شرک و کفر ہے کہ ایسے چلہ کش کہا کرتے ہیں کہ ہمیں جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ چلہ و حجرہ و خلوت سے حاصل ہوا ہے۔ وہ ایسا کہتے وقت اللہ کے نام کو درمیان میں لاتے ہی نہیں۔ اسی سبب سے حجرہ و خلوت نشینی محض استدراج ہے۔ اِس سے بہتر اور کوئی رویہ نہیں کہ ظاہر کو سنت طریقہ سے باجماعت نمازِ شریعت میں مشغول رکھا جائے اور باطن کو قوتِ طریقت و حقیقت و معرفت میں غرق رکھا جائے۔ ظاہر کو مخلوق کے ساتھ رکھا جائے اور باطن کو خالق کے ساتھ۔ (محک الفقر کلاں)

❁ جو قلب ایک دفعہ بیدار ہو جاتا ہے وہ ہمیشہ رویئت الٰہی میں مستغرق ہونے کے لئے مشتاق عاشق دیوانہ مبتلا اور متوجہ رہتا ہے۔ (قربِ دیدار)

حقیقت تک پہنچنے کا راستہ انسانی قلب میں ہے اور انسانی جسم میں یہی وہ جگہ ہے جہاں ذاتِ الٰہی کے جلوے نظر آتے ہیں اور اگر قلبِ انسان پر سے زنگ اتر جائے اور حجابات کے دور ہونے کے بعد یہ صاف ہو جائے تو فطرتِ انسانی قلب کے واسطہ سے وجدانِ حقیقی تک جا پہنچتی ہے گویا قلب انسان کی روحانی کیفیات کا مرکز

ہے اگر یہ درست ہے تو جو اعمال بھی سرزد ہوں گے وہ درست ہوں گے اور اگر یہ مرکز سیاہ ہو جائے اور اپنی جگہ سے ہل جائے تو روحانی اقدار تباہ ہو جاتی ہیں۔ انسانی جسم کے اندر دل ہی ہے جس میں ذاتِ حق جلوہ گر ہے۔ اور وہ ذات انسان میں پوشیدہ ہے جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ (انسان میرا بھید ہے اور میں انسان کا بھید ہوں)۔ اِس حقیقت سے واقفانِ حقیقت یا طالبِ صادق ہی واقف ہوتے ہیں۔

''عقلِ بیدار'' میں حضرت سلطان باھُوؒ دل کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

- میں نے اپنے دل میں قبلہ دیکھا اور حق کا دیدار کیا اور پھر خدا کے سامنے سربسجود ہو گیا۔
- دل وجود کے اندر اللہ کا ایک خزانہ ہے۔ اہلِ دل محمود ہیں اور اس کی نمود بھی محمود سے ہی ہے۔
- خطرات کے باعث دل شیطان کا گھر بن جاتا ہے اور اہلِ معرفت کا دل پرنور رہتا ہے۔
- دل ایک لطیفہ ہے اور اپنی لطافت کے باعث خدا سے ملتا ہے اور دل وحدت اور حق کی بقاء کا ایک راز ہے۔
- دنیا کے طالب اہلِ دل نہیں ہوتے وہ سراسر بے حیا' روسیاہ اور شرمندہ ہوتے ہیں۔
- باھُوؒ اس شخص کا دل دم اور روح ایک ہو جاتے ہیں جو ایک اللہ کا سجدہ اور نماز صبح شام ادا کرتا ہے۔
- آدمی کا دِل گہرے سمندر کی مثل ہے اور اس کا جسم حباب کی مثل۔ (نورالہدیٰ کلاں)
- جان لے کہ دِل جب سِرِّ اسرار کے خزانے سے، انوارِ الٰہی کے مشاہدے سے، ذکر اللہ سے اور معرفتِ الٰہی سے زندہ ہو جاتا ہے اور جب دِل کے حواسِ خمسہ کھل جاتے ہیں تو ظاہری نفسانی وجود کے حواسِ خمسہ بند ہو جاتے ہیں۔ (مجالستہ النبیؐ)
- آپ رحمتہ اللہ علیہ اپنے ابیات میں فرماتے ہیں:

چرا در زندگی اے دل نہ کوشی   چرازیں شربت شیریں نہ نوشی
چو دِل زندہ شود ہرگز نہ میرد   دلے بیدار شد خوابش نہ گیرد

ترجمہ: اے دِل تو زندہ ہونے کی کوشش کیوں نہیں کرتا تو یہ میٹھا شربت (زندگی دِل) کیوں نہیں پیتا۔ دِل جب زندہ ہو جائے تو پھر یہ مرتا نہیں اور جب بیدار ہو جائے تو سوتا نہیں۔ (مجالستہ النبیؐ)

- چشمِ بند عینک بہ پیش چشمِ دِل   خوش بین دیدار را در جسمِ گل

ترجمہ: دِل کی آنکھ کے سامنے ظاہری آنکھ کو بند کر لے اور مٹی کے جسم میں دیدار کو اچھی طرح دیکھ۔ (تیغ برہنہ)

- قلب کے تین حروف ہیں ''ق۔ل۔ب۔'' حرف ''ق'' سے مراد قُربِ الٰہی اور حرف ''ل'' سے مراد

لقائے الٰہی، حرف ''ب'' سے مراد بقاباللہ۔ جو شخص اِن صفات سے متصف ہے وہ صاحبِ قلب ہے ورنہ وہ اہلِ کلب (کتا) ہے۔ (قربِ دیدار)

❁ مصنف کہتا ہے کہ کافر کی روح بھی کافر، عقل بھی کافر اور دِل بھی کافر ہے۔ وہ علم بھی کفر کا پڑھتا ہے اور کفر کی راہ سے رزق بھی حرام کھاتا ہے۔ منافق کی روح بھی منافق، دِل بھی منافق، نفس بھی منافق اور عقل بھی منافق ہے۔ وہ علم بھی منافقت کا پڑھتا ہے اور رزق بھی منافقت کا کھاتا ہے یعنی وہ علم بھی حصولِ دنیا کی خاطر پڑھتا ہے اور علم کو حرص وحسد و کبر جیسے خصائل بد کی تسکین کے لیے استعمال کرتا ہے۔ مومن کی روح بھی مومن، دِل بھی مومن، نفس بھی مومن اور عقل بھی مومن ہے۔ اُس کا علم اُسے اسلام، امانِ الٰہی اور معرفتِ اِلَّا اللّٰہُ کی طرف لے جاتا ہے۔ وہ جو رزق بھی کھاتا ہے اللہ کا شکر بجالاتا ہے اور اپنے نفس سے انصاف کرتا ہے۔ (محک الفقر کلاں)

❁ دِل کعبہ اعظم است بہ کن خالی از بتاں   بیت المقدس است مکن جائے بت گراں

ترجمہ: تیرا دِل کعبہ اعظم ہے اسے بتوں (غیر اللہ) سے پاک کر۔ تیرا دِل بیت المقدس ہے اسے بُت گروں کی دکان مت بنا۔ (عین الفقر باب ہفتم)

❁ آپؒ دِل کی اقسام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے ''دِل تین قسم کے ہوتے ہیں یعنی قلبِ سلیم، قلبِ منیب، قلبِ شہید۔ قلبِ سلیم وہ ہے کہ جس میں سوائے معرفتِ الٰہی کے کچھ نہ ہو۔ قلبِ منیب وہ ہے جو ہر چیز سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور قلبِ شہید وہ ہے جو ہر وقت جمالِ الٰہی کے مشاہدے میں غرق رہے اور ہر چیز میں تجلّیاتِ ذات کا مشاہدہ کرے۔ (عین الفقر باب ہفتم)

آپ رحمتہ اللہ علیہ پنجابی ابیات میں فرماتے ہیں:

❁ ایہہ تن رَب سچے دا حُجرا' وِچ پا فقیرا جھاتی ھُو
ناں کر مِنت خواج خضر دی' تیرے اندر آب حیاتی ھُو
شوق دا دِیوا بال ہنیرے' متاں لبھی وَست کھڑاتی ھُو
مرن تھیں اگے مر رہے باھُوؒ' جنہاں حق دی رمز پچھاتی ھُو

آپؒ فرماتے ہیں کہ تیرا دل اللہ پاک کی قیام گاہ ہے تو اپنے دِل کے اندر جھانک کر تو دیکھ اور اس خضر علیہ السلام کا محتاج نہ بن جس نے آبِ حیات پی کر حیاتِ جاودانی حاصل کر لی ہے بلکہ تیرے اندر تو عشقِ الٰہی کا آبِ حیات موجود ہے۔ اپنے دل کے اندر عشق کا چراغ روشن کر شاید تجھے کھوئی ہوئی امانتِ حقیقی مل جائے جو تیرے دِل کے اندر ازل سے پوشیدہ ہے اور جنہوں نے اس راز کو پالیا وہ موت سے پہلے مر گئے یعنی انہوں نے حیاتِ

جاودانی حاصل کرلی۔

❁ دِل دریا سمندروں ڈونگھا' غوطہ مار غواصی ھُو
جیں دریا وَنج نوش نہ کیتا' رہسی جان پیاسی ھُو
ہر دَم نال اللہ دے رکھن' ذِکر فکر دے آسی ھُو
اُس مرشد تھیں زَن بہتر بَاھُوؒ' جو پھند فریب لباسی ھُو

دل تو دریاؤں اور سمندروں سے بھی زیادہ گہرا ہے۔اس گہرائی تک پہنچنے کی سعی اور جدو جہد کر کیونکہ اسی جگہ دریائے وحدت ہے اور اگر تو دریائے وحدت کو نوش کرنے میں ناکام رہا تو تیری ذات ہمیشہ دیدارِ حق تعالیٰ کی پیاسی رہے گی۔(اور یہ محرومی کائنات کی سب سے بڑی محرومی ہے)اس مقصد کے حصول کے لئے ہمیشہ ذکر اور تصور ''اسمِ اَللّٰہُ ذات'' کے ساتھ ساتھ دیدارِ یار کی فکر اور پریشانی میں بھی ہلکان رہ۔لیکن اس راہ پر چلنے سے پہلے مرشد کامل اکمل کو تلاش کر کے اس کی غلامی اختیار کر کیونکہ دیدارِ حق تعالیٰ کی منزل تک وہی پہنچا سکتا ہے۔ دیکھ کہیں مرشد ناقص کے ہتھے نہ چڑھ جانا کیونکہ یہ تو طالبوں کو صرف باتوں سے بہلائے رکھتے ہیں۔ان کے پاس دینے کو جھوٹے وعدوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور اندر سے خالی ہوتے ہیں۔ان سے تو وہ عورت بہتر ہے جو مکار اور دھوکے باز ہونے کے باوجود کم از کم اپنے چاہنے والوں کی خواہشات کی تسکین کا سامان تو کر دیتی ہے۔

❁ ایہہ تن رَب سچے دا حُجرا' دِل کھڑیا باغ بہاراں ھُو
وِچّے کُوزے وِچے مُصَلّے' وِچ سجدے دِیاں تھاراں ھُو
وِچے کعبہ وِچے قبلہ' وِچے اِلَّا اللّٰہُ پکاراں ھُو
کامل مرشد ملیا بَاھُوؒ' اُوہ آپے لیسی ساراں ھُو

جب سے ''باطن'' کی حقیقت ہم پر ظاہر ہوئی ہے کہ میرا دل تو اللہ پاک کا گھر ہے میری خوشی اور مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔میرے اندر ہی کوزے ہیں کہ ان سے دل کی طہارت اور پاکیزگی کا وضو کر کے اور تزکیہ نفس کے مصلّے پر کھڑے ہو کر جب محبوبِ حقیقی (یہاں کعبہ قبلہ بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے) کے سامنے سجدہ ریز ہوا تو مجھ پر الا اللہ (اثبات) کی حقیقت آشکار ہوئی کہ کائنات میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کچھ بھی نہیں ہے۔یہ سب کچھ مجھے اپنے مرشد کامل سے نصیب ہوا ہے اور میرا مرشد آئندہ بھی میرا نگہبان اور محافظ ہے۔

❁ دِل دریا خواجہ دیاں لہراں، گُھمن گھیر ہزاراں ھُو
رہن دلیلاں وِچ فکر دے، بے حد بے شماراں ھُو
ہِک پردیسی دوجا نیوں لگ گیا، تریا بے سمجھی دیاں ماراں ھُو
ہسن کھیڈن سبھ بُھلیا باھُوؒ، جَد عشق چُنگھایاں دھاراں ھُو

دل سمندر سے زیادہ وسیع ہے اور اس میں معرفتِ الٰہی کی لہریں ہر وقت موجزن رہتی ہیں لیکن وہاں وساوس اور خنّاس کے بھنور بھی ہیں لیکن طالبِ مولیٰ حق کی دلیلوں اور تفکر کے ذریعے ان بھنوروں سے نکلتے ہیں۔ ایک تو میں اس عالمِ فانی میں پردیسی ہوں دوسرا حق تعالیٰ کے عشق میں مبتلا ہو گیا ہوں اور تیسری پریشانی یہ ہے کہ راہِ عشق کے رسم و رواج سے ناواقف ہوں اور جب سے عشقِ حقیقی نے میرے دل کو گرفت میں لیا ہے میں نے دنیا کی رنگینیوں، خواہشاتِ نفس و دنیا سے منہ موڑ لیا ہے۔

❁ دِلے وِچ دِل جو آکھیں، سو دِل دُور دلیلوں ھُو
دِل دا دَور اَگُوہاں کریئے، کثرت کنوں قلیلوں ھُو
قلب کمال جمالوں جسموں، جوہر جاہ جلیلوں ھُو
قبلہ قلب منوّر ہویا باھُوؒ، خلوت خاص خلیلوں ھُو

اے طالب تو دعویٰ کرتا ہے کہ تیرا دِل بیدار ہو چکا ہے لیکن یاد رکھ ابھی یہ مقام بہت دور ہے۔ اس کے لئے تو دل سے دنیا کی ہر شے کی محبت ختم کر کے صرف اللہ پاک کی محبت بسانی پڑتی ہے۔ قلب جسموں کے کمال اور جمال کا جوہر ہے اور ربِ جلیل کا گھر اور اس کے انوار و تجلیات کے نزول کی جگہ ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت اور آپ ﷺ کے انوار و برکات نے میرے دِل کو خلوت گاہ بنا لیا ہے جس سے میرا دِل منور ہو کر حقیقت آشنا ہو گیا ہے۔

❁ نہیں فقیری جھلیاں مارن، سُتیاں لوک جگاون ھُو
نہیں فقیری وَہندیاں ندیاں، سُکیاں پار لنگھاون ھُو
نہیں فقیری وِچ ہوا دے، مصلےٰ پا ٹھیراون ھُو
نام فقیر تنہاں دا باھُوؒ، جیہڑے دِل وِچ دوست ٹکاون ھُو

فقیری یہ نہیں کہ اپنے آپ کو درویش ظاہر کرنے کے لئے گلیوں اور بازاروں میں رقص کیا جائے اور نہ ہی کسی کو

بہتی ندی کے پار لگا دینا فقیری ہے۔ اور نہ ہی ہوا میں مصلیٰ ٹھہرا کر نماز ادا کرنا فقیری ہے۔ درحقیقت اصل فقیرِ کامل تو وہ ہوتے ہیں جو اپنے اندر پنہاں محبوب کو پا کر اس کو دل میں بسا لیتے ہیں یعنی فنا فی اللہ بقا باللہ ہو جاتے ہیں۔

فقراء اور اولیاء کرام نے انسانوں کو اپنی ذات کی پہچان کا درس دیا ہے کیونکہ جب انسان اپنے آپ کو پہچان لیتا ہے تو اسی راستہ سے اللہ تعالیٰ کی پہچان نصیب ہوتی ہے لیکن ایک بات سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کو دوسرے اولیاء کرام سے ممتاز کرتی ہے کہ دوسرے اولیاء کرام انسان کو روح، قلب، من، دِل، باطن، خودی اور ضمیر کی پہچان اور نورِ بصیرت حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ لیکن اس کی ''کلید'' کا ذکر نہیں کرتے جس سے باطن کے اندر کا سفر کیا جا سکے۔ لیکن حضرت سخی سلطان باھُوؒ نے اپنی تمام تصانیف میں اس کلید اور اس کے فوائد، اسرار و رموز کا ذکر کیا ہے اور انسان کی روح، قلب، من، باطن، خودی اور ضمیر کا قفل کھولنے والی اور نورِ بصیرت حاصل کرنے والی وہ کلید ذکر و تصور ''اسمِ اَللّٰہُ ذات'' ہے بشرطیکہ یہ کسی مرشدِ کامل اکمل صاحبِ مسمّٰی اسمِ ذات سے حاصل ہوئی ہو۔

(شمس الفقرا زیرِ طبع تصنیف خادم سلطان الفقر حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس)